(مولانا) سید ساجد حسین فہیمؔ لکھنوی (اجتہادی)

ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب، کراچی پاکستان

سیّد ساجد حسین فہیمؔ لکھنوی جائس کے رہنے والے تھے، لیکن خاندانِ اجتہاد کے نواسے ہونے کے سبب ہمیشہ لکھنؤ کے جوہری محلّے میں قیام رہا، اس لئے تخلص فہیمؔ کے ساتھ ''لکھنوی'' لکھتے تھے۔

فہیمؔ لکھنوی کے والد سیّد عباس حسین تحصیل دار جائس، جائس کے نقوی سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ فہیمؔ لکھنوی کی والدہ زبدۃ العلما مولانا سید علی نقی ابن منصف الدولہ سیّد محمد باقر کی بیٹی تھیں۔ منصف الدّولہ کو سلطنت بادشاہ واجد علی شاہ میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔

فہیمؔ لکھنوی کی ولادت ۱۸۶۲ء میں بمقام جوہری محلہ لکھنؤ میں ہوئی۔ خاندان اجتہاد سے نانہالی قرابت تو تھی ہی شعر و شاعری میں بھی فہیمؔ لکھنوی کو اِسی خاندان سے تلمّذ حاصل تھا۔ سیّد محمد اصطفیٰ لڈّن صاحب خورشیدؔ نے اپنی کتاب ''افادات'' میں فہیمؔ کو شاگرد لکھا ہے۔ ''فہیمؔ لڈّن صاحب خورشیدؔ کے بھانجے تھے اور شاگرد بھی تھے۔

خورشیدؔ لکھنوی ''افادات'' میں لکھتے ہیں:-

''رامپور سے جو آیا تو میرے حقیقی چچازاد بھائی مولوی سیّد حسن مجتبیٰ شہیدؔ سلمہٗ نے اصلاح لینی شروع کی اس کے بعد اُن کے بڑے بھائی مولوی سیّد ابوالقاسم سعیدؔ سلمہٗ نے اور میرے ہمشیرزادے مولوی سیّد ساجد حسین فہیمؔ سلمہٗ نے رجوع کی پھر تو ایک آج اور دو کل یوں ہی برابر لوگ آنے لگے اور اصلاح لینے لگے''۔

فہیمؔ لکھنوی نہایت خوش فکر شاعر تھے، لڈّن صاحب خورشیدؔ نے ان کے نام کے ساتھ ''مولوی'' لکھا ہے جو اُن کے علمی مرتبے کو ظاہر کرتا ہے۔ فہیمؔ لکھنوی کو ہر صنف شاعری پر کامل دسترس حاصل تھی، لیکن زیادہ تر غزلیں اور مرثیہ کہتے تھے۔ غزلیں اور مرثیے خاصی تعداد میں تھے لیکن لکھنؤ میں سب کچھ تلف ہوگیا۔ فہیمؔ لکھنوی، بندہ کاظم جاویدؔ لکھنوی اور ذاخرؔ لکھنوی کے ہم عصر اور قریبی عزیز تھے۔

فہیمؔ لکھنوی کے شاگرد بہت تھے، جن میں محمد جعفر قدسیؔ (جائسی)، تصدق حسین صدقؔ (جائسی)، رضا محمد رضاؔ (جائسی)، عبدالسلام زخمیؔ (جائسی)، عبدالوہاب (رازؔ جائسی)، محمد مہدی نویدؔ، محمد حیدر واقفؔ (جائسی) اور ابن علی فائقؔ مشہور ہیں۔

فہیمؔ لکھنوی نے ساٹھ برس کی عمر میں ۱۹۲۲ء میں انتقال کیا، لکھنؤ کے مشہور امام باڑے غفرآن مآب کے صحن میں دفن ہوئے۔

فہیمؔ لکھنوی کا ایک مرثیہ ۱۹۳۴ء میں لکھنؤ میں طبع ہوا تھا جس کا مطلع حسبِ ذیل ہے:-

بہار حُسن کی ہے عالم جوانی میں
گلاب تازہ ہے یہ باغ زندگانی میں
یہ رنگ ہوتا ہے رخسار ارغوانی میں
مئے دو آتشہ مل جائے جیسے پانی میں
رگوں میں دوڑ کے خون شباب آتا ہے
سفید و سرخ نظر آفتاب آتا ہے

''مہرؔ جائسی نے اپنے تذکرہ ''ادبی کشکول'' میں لکھا ہے کہ فہیمؔ لکھنوی کے تقریباً تیس ۳۰ مرثیے ان کے صاحبزادے غلام

حیدر کے داماد رونق حسین مالک مطبع رونق پریس رائے بریلی کو مل گئے تھے پھر اُن مرثیوں کا کیا ہوا یہ کوئی نہیں جانتا، فہیم لکھنوی کا زیادہ تر کلام لکھنؤ میں رہ گیا تھا اور وہیں سے تلف ہوا''۔

فہیم لکھنوی کے دو سلام ''رقعۂ مجلس امام انام بہ گلدستۂ سلام'' ۱۹۲۴ء میں وزیر گنج (حامد پارک) لکھنؤ سے شائع ہوئے تھے۔ نواب حامد حسین خاں (بابو صاحب مرحوم) کی کوٹھی سلطنت منزل میں سال بہ سال ۲۴ رصفر کو مسالمہ ہوتا تھا۔ معروف وممتاز شعرا کے ساتھ فہیم لکھنوی بھی مسالمے میں سلام پیش کرتے تھے۔

سلام

گئے جو تیر فوجِ شہہ پہ پیکانِ جفا ہوکر
پلٹ آئے سپاہِ شام پر تیرِ خطا ہوکر
کسی کو اب شکایت کیا ہو جورِ چرخِ مینا کی
مصیبت جب آئمہ جھیلیں خاصانِ خدا ہوکر
کہا منہ سے نہ کچھ شہ نے اذیت اور مصیبت پر
مگر آہیں گئیں تا عرشِ حق تیرِ دعا ہوکر
بنے سب زندۂ جاوید محشر تک زمانے میں
ملا پیاسوں کو یہ پھل کُشتۂ تیغِ جفا ہوکر
حرم کہتے تھے چھینو چادرِ تطہیر جب جانیں
نہیں بے پردگی کا ہم کو کچھ غم بے رِدا ہوکر
لگایا بے خطا جب حُرملہ نے تیر بچے کو
لیا ناوک نے بوسہ حلق کا تیرِ قضا ہوکر
فرشتوں نے سنبھالا فاطمہؑ کے ناز پرور کو
زمیں پر زینِ دلدل سے گرا جس دم جدا ہوکر
سبیل بخشش اُمّت یہی تھی ورنہ کیوں سرور
رہے دو روز پیاسے دشت میں معجز نما ہوکر
ہوئی بے انتہا گویا پسند خالق عالم
نماز آخری پہنچی جو پیاسے کی ادا ہوکر
فہیم اب کیا رہا دھڑکا صراط و نارِ دوزخ کا
کٹایا سر اسی پر شاہ نے جب رہنما ہوکر

سلام

خلف وعدہ کی جو ناحق بھی شکایت ہوتی
تو ادا شہؑ کی شہادت کی شہادت ہوتی
بیکسی شہؑ کی جو خواہانِ عدالت ہوتی
روز عاشور ہی دنیا میں قیامت ہوتی
شاہؑ فریاد نہ سنتے جو گنہ گاروں کی
عرصۂ حشر میں کیا خاک سماعت ہوتی
تشنگی سے شہِؑ لب تشنہ چباتے تھے زباں
بڑھ کے کیا پیاس کی اب اس سے شکایت ہوتی
پا پیادہ کوئی کانٹوں پہ نہ یوں لے جاتا
راہ چلنے کی بھی عابدؑ میں جو طاقت ہوتی
کوئی ہنگامِ قضا عصر کی پڑھتا نہ نماز
کس سے جز شہؑ کے ادا حق کی عبادت ہوتی
قتل پر شاہؑ کے تھا خم سر خنجر جتنا
کاش قاتل کو بھی اتنی ہی خجالت ہوتی
بد دعا سیّد مظلوم اگر فرماتے
آن کی آن میں سب فوج وہ غارت ہوتی
کیوں مسلمانو! اسی ظلم کے قابل تھے حسینؑ
نہ نبیؐ سے بھی جو بالفرض قرابت ہوتی
میں سمجھتا اُسے معراج رسولؐ الثقلین
خواب میں روضۂ شہؑ کی جو زیارت ہوتی
بخت خوابیدہ فہیم اپنا اگر چونک اُٹھتا
کربلا چلنے کی سوتے میں بشارت ہوتی

فہیم لکھنوی کا ایک مرثیہ ہمارے کتب خانے کے قلمی مرثیوں کے ذخیرے میں موجود ہے:-

پھر اگلتا ہے دہن گوہر شہوار سخن

بند ۵۵ درحال حضرت عباسؑ

یہ مرثیہ ۲۰ راکتوبر ۱۹۱۳ء میں فہیم لکھنوی کے شاگرد سیّد

دلاور حسین ساکن قصبہ گنگوہ سہارنپور وارِدحال لکھنؤ جوہری محلہ نے فہیمؔ کی زندگی میں اپنے خط سے لکھا ہے۔ مرثیہ کی پیشانی پر درج ہے۔

''از تصنیف جناب استاد المعظم سیّد ساجد حسین صاحب فہیمؔ لکھنوی''۔

مرثیے کا چہرہ:-

پھر اُگلتا ہے دہن گوہرِ شہوار سخن
پھر دکھاتی ہے زباں گرمیٔ بازار سخن
تنگ ہے وسعتِ دامانِ طلبگارِ سخن
فضل خالق سے ہے یاں ذہن میں انبارِ سخن
غیر مدّاح کہاں پائے دفینہ اِس کا
عرش معدن ہے مرا دل ہے خزینہ اِس کا

عمل خیر یہ بے مکر و ریا کرتا ہوں
نام ممدوح کا لے لے کے جیا کرتا ہوں
ساغرِ بادۂ توصیف پیا کرتا ہوں
معدن نور سے میں کسبِ ضیا کرتا ہوں
جوہری جو ہو نظر باز ملالے سب سے
رنگ میں میرے جواہر ہیں نرالے سب سے

علم کی تعریف:-

رایتِ لشکرِ حق کی زہے شانِ اقبال
دم سے بالیدہ اِسی کے تو ہے جانِ اقبال
اِس کے فرمان سے چلتی ہے زبانِ اقبال
سر بلند اِس سے ہوا نام و نشانِ اقبال
لوح دیں اس سے سرِ عرشِ علا تک پہنچا
اس کے سایہ میں جو پہنچا وہ خدا تک پہنچا

ہے جری سبز پھریرا جو اُدھر کھولے ہوئے
رایت استادہ ادب سے ہے کمر کھولے ہوئے
خضر ہیں شقۂ اقبال و ظفر کھولے ہوئے
طائرِ سدرۂ اعجاز ہے پر کھولے ہوئے
آبرو پائے جو اِن کا کہیں سایہ مِل جائے
نخل طوبیٰ کو ہے غبطہ کہ یہ پایہ مل جائے

ساقی نامہ کا ایک بند:-

ساقیا دور ہے تیرا مئے گلرنگ پلا
شفق آگیں ہو جو بادہ وہ دمِ جنگ پلا
ساغر میکدۂ دانش و فرہنگ پلا
اپنے صدقے میں صبوحیٔ خوش آہنگ پلا
سن کے سب تازہ بیاں، کہنہ فسانہ بھولیں
ہم صفیرانِ چمن اپنا ترانہ بھولیں

جنگ:-

کھنچ کے ہر فرق پہ پھر تیغِ علمدار گری
اٹھ کے پھر شامیوں پر برقِ شرربار گری
چار سو عنصرِ خاکی پہ جو تلوار گری
صف گری صف پہ کہ جیسے کوئی دیوار گری
شیرِ غرّندہ کی ہیبت سے جو مغرور ہوئے
یونہی ٹکرا کے بہت خانۂ تن چور ہوئے

فوج میں ابتری:-

چوکیاں اُٹھ گئیں دریا کے نگہباں بھاگے
پیدل اسوار سراسیمہ و حیراں بھاگے
ہیبتِ شیر گرسنہ سے پریشاں بھاگے
پہلوانانِ کمیں چھوڑ کے میداں بھاگے
کودے جو نہر میں غیرت کو وہ کھو کر ڈوبے
غرقِ خوں جو نہ ہوئے نام ڈبو کر ڈوبے

حضرتِ عباسؑ مشک بھر کر فرات سے واپس آرہے ہیں:-

دَل کے دَل اُمڈے چلے آتے ہیں بادل کی طرح
کثرت اسواروں کی ہے پیدلوں کے دَل کی طرح
کوسوں میدان میں روباہ ہیں جنگل کی طرح
بندوبست اب یہ نہیں حملۂ اوّل کی طرح
دھاک بیٹھی ہے کہ سقائے دلیر آتا ہے
مشک پانی سے بھرے نہر سے شیر آتا ہے

صید کی طرح دبائے ہوئے پہلو میں ہے مشک
ہاتھ قبضہ پہ دھرے ہے کفِ دلجو میں ہے مشک
کیا بنا سکتے ہو ضرغام کے قابو میں ہے مشک
اب ہے کیا دیر خیام شہ خوشخو میں ہے مشک
تیر باراں ہو تو کچھ زور بھی چل جائے گا
ورنہ اُڑ کر فرس تیز نکل جائے گا

شہادت:-

لو بڑھی فوج عدو چل گیا اک گرزِ ستم
شق ہوا مثل علیؑ کے سرِ سقائے حرم
لو جھکا ضعف سے ہرنے پہ وہ اب ابرِ کرم
لو پڑا مشکِ سکینہؑ پہ بھی تیرِ اظلم
زخم سب زخموں سے کاری جو یہ تھا خون بہا
جتنا پانی (بھی) نہ تھا اُس سے سوا خون بہا

رباعی

تحصیلِ ثواب کوئی تقصیر نہیں
چپ رہنے کی میرے کوئی تدبیر نہیں
ہے مدح میں ہر ایک سخن کا حصہ
مداحئ شہؑ کسی کی جاگیر نہیں

دیگر

حسرت جو نہ غم کی داستاں میں ہوتی
عبرت نہ دلِ پیر و جواں میں ہوتی
اکبرؑ نہ نکالتے دہن سے کچھ دیر
کاش اتنی تری شہ کی زباں میں ہوتی

دیگر

اینٹھی ہے زبان سکینہؑ کو پیاس ہے یہ
بھیجا ہے چچا کو بہر آب آس ہے یہ
سینہ سے اُٹھیں برابر آہوں کے علم
اے شیعو نشانِ غم عباسؑ ہے یہ

دیگر

اوّل جو سبھوں سے ہے وہ آخر تو ہے
نظروں سے جو پنہاں ہے وہ ظاہر تو ہے
قبضہ میں ہے ہر شے کا وجود اور عدم
قدرت جس سے اس کی ہے وہ قادر تو ہے

مرثیہ غیر مطبوعہ

(۱)

پھر اگلتا ہے دہن گوہرِ شہوارِ سخن
پھر دکھاتی ہے زباں گرمئ بازارِ سخن
تنگ ہے وسعت دامانِ طلبگارِ سخن
فضلِ خالق سے ہے یاں ذہن میں انبارِ سخن
غیر مدّاح کہاں پائے دفینہ اس کا
عرش معدن ہے، مرا دل ہے خزینہ اس کا

(۲)

عمل خیر یہ بے مکر و ریا کرتا ہوں
نام ممدوح کا لے لے کے جیا کرتا ہوں
ساغرِ بادۂ توصیف پیا کرتا ہوں
معدن نور سے میں کسبِ ضیا کرتا ہوں
جوہری جو ہو نظر باز ملالے سب سے
رنگ میں میرے جواہر ہیں نرالے سب سے

(۳)

نور میں نیّر و مہتاب و سہا کے ہمسر
تاب میں برق کے مانند طلا کے ہمسر
ہوگیا آئینۂ صاف صفا کے ہمسر
آب میں ہیں یہی در اشک عزا کے ہمسر
یوں تو اس وقت تسلی میرے جی کو بھی نہیں
اِن کی جز سبطِ نبیؐ قدر کسی کو بھی نہیں

(۴)

تیسرا دن ہے کہ خیمہ میں نہیں قطرۂ آب
اوندھے ساغر ہیں کہ اُلٹے ہوئے قلبِ بےتاب
بوڑھوں کا اور جوانوں کا بھلا کون حساب
ننھے بچوں کا بیاں کیا ہو وہ حالت ہے خراب
ماہیٔ برق کو خشکی و تری میں بھی نہیں
جو تڑپ ان میں ہے دردِ جگری میں بھی نہیں

(۵)

دے کے تسکین بھتیجی کو علمدار چلے
لے کے زینبؑ کو سوئے سیّدِ ابرار چلے
خواہرِ شہؑ سے یہ کرتے ہوئے گفتار چلے
غم کی کس طرح کلیجے پہ نہ تلوار چلے
نونہالانِ گل اندام مرے جاتے ہیں
پیاس سے اصغرِ ناکام مرے جاتے ہیں

(۶)

حال بچوں کا ہے اس درد سے غازی نے کہا
روئی بے ساختہ ثانیٔ بتولِ عذرا
ہل گیا سینہ میں دل، فق ہوا منہ، رنگ اُڑا
بولی اس وقت یہی ہے بڑی تشویش کی جا
کس طرح اپنے نصیبوں کو نہ روؤں بھائی
تم ہی منصف ہو کسے ہاتھوں سے کھوؤں بھائی

(۷)

عرض کی حضرت عباسؑ نے عاجز ہے غلام
کہتا کیوں آپ سے بنتا جو مجھی سے یہ کلام
کوئی تسکین کی صورت نہیں اے نیک انجام
امرِ دشوار ہی میں عُقدہ کشائی کا ہے کام
قیدیٔ دامِ خجالت پہ یہ احساں کیجے ..
کسی عنوان سے مشکل مری آساں کیجے ..

(۸)

یاں یہ مذکور تھا چلّائیں جو بانوئے حزیں
میرے بچوں کی خبر ہائے کسی کو بھی نہیں
کیسا اندھیر ہے لوگو! یہ ہے کیسی تسکیں
بیٹھے ہیں چین سے کوئی کہیں اور کوئی کہیں
غش سکینہؑ کو ادھر زندہ نہیں چھوڑتا ہے
طفل ششماہہ مرا پیاس سے دم توڑتا ہے

(۹)

مشک دی تھی جو بھتیجی نے کہاں لے کے گئے
اذن کیا شہؑ سے سوئے فوجِ گراں لے کے گئے
بولی فضہ نہ یہاں اور نہ وہاں لے کے گئے
غالباً پیشِ امامِ دوجہاں لے کے گئے
باتیں کرتی ہوئی با صدمۂ جانکاہ گئیں
سعی کے واسطے زینبؑ بھی تو ہمراہ گئیں

(۱۰)

پاؤں پر بہر اجازت جو رکھا بھائی نے سر
کوہِ غم اور گرا ٹوٹ گئی شہؑ کی کمر
بولے دل تھام کے شبیرؑ سدھارو بہتر
یہ مرقع ہوا ایک آن میں سارا ابتر
جانتے یہ تو نہ اک عمر ریاضت کرتے
ہائے اب روکتے بنتا ہے نہ رخصت کرتے

(۱۱)

ہو لئے واں حرمِ پاک سے رخصت عباسؑ
چھایا زوجہ پہ رنڈاپا ہوئی جینے سے آس
چار جانب سے جو تھا دل پہ ہجومِ غم و یاس
سارے دکھ بھول گئی پا کے سکینہؑ کو اُداس
حال تاخیر کا رخصت کی نہ اظہار کیا
رک گئے غش سے تمہارے یہ کیا پیار کیا

(۱۲)

بیٹھا سقہ جو فرس پر تو فرس سیل ہوا
بادِ صرصر کا بھی تیزی سے وہ سرخیل ہوا
پارا ہر نعلِ ہلالی کا چھٹا میل ہوا
وادی و کوہ کا تنگ اُس کے لیے ذیل ہوا
عزم تھا پیاسوں کا دکھ دیکھ کے مر جانے کا
حد ہے دنیا سے ارادہ تھا گذر جانے کا

(۱۳)

پتلیاں جھاڑتا واں خاک میں بھر بھر جانا
مثل رف رف کے ہواؤں پہ وہ فر فر جانا
بادِ صَرصَر کی طرح دشت میں سر سر جانا
شوق سے دیکھنے والوں کا وہ مر مر جانا
شکلِ تصویر شقی رہ گئے منہ تکتے سے
سنگدل فوج کے بُت بن گئے سب سکتے سے

(۱۴)

صف ہیجا میں ہے ہلچل کہ اسد آتا ہے
ضیغمِ بیشۂ ضرغام صمد آتا ہے
قوت بازوئے شہؑ بہرِ مدد آتا ہے
تیغ کھینچے ہوئے لو شیرِ احد آتا ہے
آتش قہرِ دلیرِ ازلی سے بھاگو
چھوڑ دو ساحلِ دریا کو ابھی سے بھاگو

(۱۵)

اس طریقہ سے وہ سیّار جہاں آتا ہے
جیسے بالائے ہوا تختِ رواں آتا ہے
پُشت زیں پر جو سلیمانِ زماں آتا ہے
شور ہے مورچوں میں شیرِ ژیاں آتا ہے
کیا عجب فتنۂ نو کوئی بپا راہ میں ہو
چل کے پوشیدہ کہیں جلد کمیں گاہ میں ہو

(۱۶)

رایتِ لشکرِ حق کی زہے شانِ اقبال
دم سے بالیدہ اِسی کے تو ہے جانِ اقبال
اس کے فرمان سے چلتی ہے زبانِ اقبال
سر بلند اِس سے ہوا نام و نشانِ اقبال
لوح دیں اس سے سرِ عرشِ عُلا تک پہنچا
اس کے سایہ میں جو پہنچا وہ خدا تک پہنچا

(۱۷)

ہے جری سبز پھریرا جو اُدھر کھولے ہوئے
رایت استادہ ادب سے ہے کمر کھولے ہوئے
خضر ہیں شقۂ اقبال و ظفر کھولے ہوئے
طائر سدرۂ اعجاز ہے پر کھولے ہوئے
آبرو پائے جو ان کا کہیں سایہ مل جائے
نخلِ طوبیٰ کو ہے غبطہ کہ یہ پایہ مل جائے

(۱۸)

تھا یہ مذکور کہ واں شیر عریں آپہنچا
گوہرِ تاجِ سرِ عرشِ بریں آپہنچا
صورتِ قہرِ خدا صف کے قریں آپہنچا
دشت پیکار میں نزدیک اریں آپہنچا
چوگنا بازوؤں میں زورِ خداداد ہوا
صید فربہ جو نظر آئے تو دل شاد ہوا

(۱۹)

اِک جگہ قطب کے مانند سواری ٹھہری
دشت میں جائے خزاں بادِ بہاری ٹھہری
قرب میں عاصیوں کے رحمتِ باری ٹھہری
بہر تہدید صفِ لشکرِ ناری ٹھہری
دیکھا گمراہ رہ دیں سے تھا بے دینوں کو
قصدِ ارشاد و ہدایت ہوا بے دینوں کو

(۲۰)

سرخ آنکھیں ہوئیں ضرغام کی جب خوں کی طرح
ڈر سے لشکر میں تلاطم ہوا جیحوں کی طرح
یاس وحسرت کا ہوا دور جو گردوں کی طرح
سر سے ہوش اُڑنے لگے طائرِ محزوں کی طرح
ہاتھ اور پاؤں چڑھے دم کی طرح پھول گئے
سب رجز خوانیاں جہالِ عرب بھول گئے

(۲۱)

جان لو ساقیٔ تسنیم کے ہم ہی ہیں پسر
ہے ہمارا ہی پدر فاتحِ بابِ خیبر
بے بھرے مشک کے ہٹتے نہیں زنہار اُدھر
دیں گے سر بات پہ سرکیں گے نہ دریا سے مگر
کوئی پروا نہیں گو جان یہیں جائے گی
لاش تک اُٹھ کے نہ ساحل سے کہیں جائے گی

(۲۲)

یاں سے جب مشک وعلم لے کے علمدار بڑھے
بہر ترتیبِ سپہ واں کئی سردار بڑھے
یاں یہ مطلب کہ کسی طرح نہ کرّار بڑھے
واں زر و مال کے وعدوں پہ وہ مکار بڑھے
سامنے شیر کے گو زیست سے دل تنگ ہوئے
چار ناچار مگر مستعدِ جنگ ہوئے

(۲۳)

منہ سے تو رعبِ دلاور سے نہ نکلی کوئی بات
روک لی فوجِ گراں موج نے پر راہِ فرات
کھل گئی سقہ پہ پانی کے نہ ملنے کی جو گھات
جلوہ افگن ہوئی کفار کی قطّاعِ حیات
کفِ موسیٰ سے مثال یدِ بیضا نکلی
میان کے ابر سے وہ برقِ تجلّی نکلی

(۲۴)

زور پنجہ سے خداداد یہ آگاہی ہے
حال خیبر کا عیاں ماہ سے تا ماہی ہے
حاصل اقلیمِ شجاعت کی شہنشاہی ہے
بازوؤں میں صفتِ ضربِ یداللّٰہی ہے
غزوات اپنے ہر اک جن و بشر سے پوچھو
کاٹ تلوار کی جبریل کے پر سے پوچھو

(۲۵)

آج تک پاؤں صفِ جنگ سے سرکے ہی نہیں
ہم پہ غالب ہوں کبھی لوگ یہ پر کے ہی نہیں
سینے وہ کون ہیں اس ڈر سے جو درکے ہی نہیں
ہے وہ دل کون کہ کھائے ہوئے چرکے ہی نہیں
تیغ کے خوف سے ہیں سب کے جگر دو ٹکڑے
کرتے ہیں ہم اک اشارے سے قمر دو ٹکڑے

(۲۶)

پیچھے ہٹ جاؤ کہاں بڑھتے ہو گستاخانہ
بھر گیا زیست کا تم لوگوں کے اب پیمانہ
نہ چلے تیغ جو چھوڑو روشِ مستانہ
ورنہ مشکل ہے معافی کا ملے پروانہ
بے طرح کشتِ تمنا میں خلل آئے گا
آ گیا غیظ تو پیغامِ اجل آئے گا

(۲۷)

گئی گردوں پہ جو نقارۂ رزمی کی صدا
غل فرشتوں میں ہوا نادِ علیؑ کا برپا
سہم کر روحِ امیں کرنے لگے ذکر خدا
جا پڑا گلۂ روباہ پہ ضرغامِ وغا
کوئی تدبیر نہ مکّاروں کی زنہار چلی
جانیں ہر تن سے چلیں سن سے جو تلوار چلی

(۲۸)

اِک تلاطم تھا کہ سقائے سکینہؑ کی وغا
چار سو ناریوں میں شور اماں کا تھا بپا
دم شمشیر سے کٹ کٹ گئی خود زینِ قضا
پہلوانانِ تن آور سے ہوئے یوں پسپا
زخمیوں کو تعبِ جنگ و جدل نے مارا
پہلے تلوار نے بعد اُس کے اجل نے مارا

(۲۹)

کھینچی تھی غیظ میں سقائے جری نے جو حسام
اونچا اک ہاتھ پہ اک سر سے تھا آبِ صمصام
قتل کے وقت تھا نیزہ سے بلند اُس کا مقام
شور تھا عمر کا بدمستوں کی لبریز ہے جام
کشتیٔ نوحؑ کے لائق نہ رہے گا کوئی
آج اُسی قوم کی صورت نہ بچے گا کوئی

(۳۰)

ساقیا دور ہے تیرا مئے گلرنگ پلا
شفق آگیں ہو جو بادہ وہ دمِ جنگ پلا
ساغر میکدۂ دانش و فرہنگ پلا
اپنے صدقے میں صبوحیؔ خوش آہنگ پلا
سن کے سب تازہ بیاں کہنہ فسانہ بھولیں
ہم صفیرانِ چمن اپنا ترانہ بھولیں

(۳۱)

حملہ پھر لختِ دلِ ساقیٔ کوثر نے کیا
پھر قوی جنگِ وغا بازوئے سرورؑ نے کیا
پھر علم تیغ کو سقائے دلاور نے کیا
پھر طرف نہر کے رخ شیر غضنفر نے کیا
پھر خجل اپنے ارادوں سے وہ گمراہ ہوئے
پھر رَواں ایک رُواں بن کے وہ روباہ ہوئے

(۳۲)

قصد پھر ضیغمِ حیدرؑ نے ترائی کا کیا
عزم بالجزم پھر اُس صف کی صفائی کا کیا
دھیان پھر خوف نے ہر دل میں رسائی کا کیا
فوجِ دشمن نے پھر اک زور لڑائی کا کیا
فتح گو پہلے بھی نامردوں سے منہ پھیرے رہی
طمعِ زر کے بہانے سے قضا گھیرے رہی

(۳۳)

کھنچ کے ہر فرق پہ پھر تیغِ علمدار گری
اُٹھ کے پھر شامیوں پر برق شرربار گری
چار سو عنصرِ خاکی پہ جو تلوار گری
صف گری صف پہ کہ جیسے کوئی دیوار گری
شیرِ غرّندہ کی ہیبت سے جو مغرور ہوئے
یونہیں ٹکرا کے بہت خانۂ تن چور ہوئے

(۳۴)

اوج پر تھی جو وغا ماہِ بنی ہاشم کی
گردنیں شرم سے نیچی سپہِ ظالم کی
نیچی نظریں تھیں ندامت سے ہر اک نادم کی
اکھڑے دل اور قدم، رائے جو کچھ قائم کی
نوبت آتی تھی شغالوں کو نہ دم لینے کی
فکر تھی بھاگنے میں راہِ عدم لینے کی

(۳۵)

فوجِ روباہ پہ ضیغم نے جو قابو پایا
جم کے حملہ کیا سامانِ ظفر ہاتھ آیا
ناریوں نے لبِ ساحل پہ جو غوطہ کھایا
عرقِ شرم نے سب کو ہمہ تن نہلایا
چھینٹے آئے جونہیں دو چار کہیں دریا کے
بے حیاؤں کو حیا آئی قریں دریا کے

(۳۶)

لایا ہے مشکِ سکینہؑ کو جو عباسؑ جری
اُس سے یہ جنگ وجدل اُس سے یہ بیدادگری
بحرِ خوں میں ابھی ڈوبا نہیں کوئی سفری
آ کے حملہ کیا ضرغام نے اور مشک بھری
خاک روباہ نفس ٹوک سکے گا کوئی
کب ترائی میں اُسے روک سکے گا کوئی

(۳۷)

چوکیاں اٹھ گئیں دریا سے نگہباں بھاگے
پیدل اسوار سراسیمہ و حیراں بھاگے
ہیبتِ شیر گرسنہ سے پریشاں بھاگے
پہلوانانِ کمیں چھوڑ کے میداں بھاگے
کودے جو نہر میں غیرت کو وہ کھو کر ڈوبے
غرقِ خوں جو نہ ہوئے نام ڈبو کر ڈوبے

(۳۸)

جلد تر نہر سے بھر لیجئے للّٰہ یہ مشک
تاک لیں پھر نہ کہیں خاطی و گمراہ یہ مشک
دیکھنے پائیں کسی طرح نہ بدخواہ یہ مشک
پہنچے سالم طرفِ سیّدِ ذیجاہ یہ مشک
آبرو کوثر و تسنیم کی ہاتھ آئے مجھے
حشر میں پیاسوں سے (اے کاش) نہ شرم آئے مجھے

(۳۹)

لب جو سے جو خنک ہو کے ہوا سرد آئی
خالی میدان ملا شیر نے لی انگڑائی
تیغ کی میان میں نامردوں نے فرصت پائی
پیاس میں دھوپ کی تیزی نے قیامت ڈھائی
عقدے سارے صفتِ عقدہ کشا کھول دیئے
تن کے رہوار پہ سب بندِ قبا کھول دیئے

(۴۰)

مشک لی ہاتھ میں اپنے کہا رہوار سے ہاں
صورت سیل ہوا جانب ساحل وہ رواں
دھیان تھا اسپ بھی دوروز سے ہے تشنہ دہاں
پانی پی لے تو مناسب ہے نہ ہو جاں بیجاں
گو نہ ہمت کو ابھی تک تھا کہیں ہارا بھی
باگ بھی چھوڑ دی اس قصد سے چمکارا بھی

(۴۱)

دَل کے دَل اُمڈے چلے آتے ہیں بادل کی طرح
کثرت اسواروں کی ہے پیدلوں کے دَل کی طرح
کوسوں میدان میں روباہ ہیں جنگل کی طرح
بندوبست اب یہ نہیں حملۂ اوّل کی طرح
دھاک بیٹھی ہے کہ سقائے دلیر آتا ہے
مشک پانی سے بھرے نہر سے شیر آتا ہے

(۴۲)

صید کی طرح دبائے ہوئے پہلو میں ہے مشک
ہاتھ قبضے پہ دھرے (ہے) کفِ دلجو میں ہے مشک
کیا بتا سکتے ہو ضرغام کے قابو میں ہے مشک
اب ہے کیا دیر خیام شہ خوشخو میں ہے مشک
تیر باراں ہو تو کچھ زور بھی چل جائے گا
ورنہ اُڑ کر فرس تیز نکل جائے گا

(۴۳)

گرد رخسار بھی ضیغم نے ابھی کی نہیں پاک
مشک بھر لی ہے کہ بچے نہ عطش سے ہوں ہلاک
مڑ چکا خیمہ کی جانب رُخ اسپِ چالاک
لبِ جو مستعدِ ظلم ہے فوجِ سفاک
یاں یہ کد مشک یہ تا آلِ پیمبرؐ پہنچے
واں یہ کاوش کہ بہشتی لبِ کوثر پہنچے

(۴۴)

تھا جو کاری اثرِ فرقتِ (بزم) شبیرؑ
ہوکے بیتاب چلا نہر سے وہ بدرِ منیر
گھر کے آئے تھے جو شامی صفتِ ابرِ مطیر
چار جانب سے بہشتی پہ برسنے لگے تیر
پھر کھینچی تیغ خطا کاروں کے سر کٹنے لگے
مرغِ سوفار کے پر اُڑتے ہیں پر کٹنے لگے

(۴۵)

سِپہِ شام کے بادل سے گھرا ہے ساحل
خلفِ ساقیٔ کوثر کو ہے بڑھنا مشکل
غیظ میں میان سے باہر ہے جو تیغِ قاتل
مضطرب موج کی مانند ہیں روباہوں کے دل
عزم پیکار سے ظاہر میں ڈرے جاتے ہیں
خوفِ طوفاں سے قدم پیچھے ہٹے جاتے ہیں

(۴۶)

ناریوں میں تو یہ چرچا تھا میانِ صفِ جنگ
لے چلا مشک اُدھر بحرِ شناور کا نہنگ
روکتا کون تنک ظرفوں کا تھا حوصلہ تنگ
پسرِ ساقیٔ تسنیم پہ برسائے خدنگ
بڑھ کے غازی نے بہت تیغ و سپر پر روکے
جتنے خالی دیئے سوفار نظر پر روکے

(۴۷)

قصد سے جانے کے ضرغام جدھر بڑھتا ہے
پیچھے ہٹتے ہیں قدم فوج کے ڈر بڑھتا ہے
جان پر کھیل کے جو بانیٔ شر بڑھتا ہے
تن سے سر اُڑتے ہیں کچھ اور خطر بڑھتا ہے
شور ہے گو ہے مقابل کی لڑائی مشکل
شیر سے یوں بھی ہے (اب) عہدہ برائی مشکل

(۴۸)

چھپ کے کونوں میں کہیں جان بچا کر بھاگو
روکنا شیر عریں کا نہیں بہتر بھاگو
ابھی غصہ میں نہیں خوب دلاور بھاگو
ورنہ کُل فوج میں پڑ جائے گی بھگدر بھاگو
رن سے گر پہلے ہی حملہ میں نہ ٹل جاؤ گے
ایک پر ایک گرے گا تو کچل جاؤ گے

(۴۹)

کہہ کے یہ پچھلے قدم ہٹ گئے میداں میں شریر
آگے بڑھتا تھا دل شیر خداوند قدیر
دھیان میں کچھ بھی نہ آتا تھا وہ انبوہِ کثیر
گر رہی تھی سپہ شام پہ برقِ شمشیر
شور تھا غیظ میں سقائے جری ہے بھاگو
آگ دریا کے کنارے پہ لگی ہے بھاگو

(۵۰)

اے زہے ہمتِ مردا نہ زہے جاہ و جلال
شیر صحرا کے قریں آتے نہ تھے ڈر سے مجال
وار چھپ چھپ کے جو کرتے تھے اُدھر اہلِ ضلال
جی ہوا جاتا تھا افراط محبت سے نڈھال
بدلے پانی کے رواں تن سے تھی جاریؔ ندی
دونوں شانوں سے تھی اک خون کی جاریؔ ندی

(۵۱)

کس طرح آ گے ہو تحریر بس اے اہلِ عزا
ثانیٔ حمزہؑ و جعفرؑ کا جو کچھ حال ہوا
پا کے مجبور قریب آ گئی فوج اعدا
شہ بیکس کو جواں بھائی کا دیجے پرسا
ابھی تر اشکوں سے رومال نہ دامن کیجے۰۰
پہلے سن لیجے پھر نالہ و شیون کیجے۰۰

(۵۲)

اس کا مذکور ہے لشکر کی جو تھا زینت و زین
جس سے تسکین سکینہؑ کو تھی اور روح کو چین
ناصرِ دیں خلفِ فاتح صِفّین و حنین
جس کے مرجانے سے ٹوٹی کمر پاک حسینؑ
بیشۂ شہ میں کوئی شیر حجازی نہ رہا
علی اکبرؑ کے سوا اب کوئی غازی نہ رہا

(۵۳)

قتل سے جس کے ہوئے بیکس و بے پر شبیرؑ
ہوگئے دشت میں بے ناصر و یاور شبیرؑ
یہ بھی سن لیجئے رن میں گئے کیونکر شبیرؑ
گر پڑے سینکڑوں جا ٹھوکریں کھا کر شبیرؑ
گو پسر بازوئے شاہنشہ دیں تھامے تھا
زور بازو کا تو ہاتھوں کو نہیں تھامے تھا

(۵۴)

روئیے روئیں گے محبوبِ خدا آپکے ساتھ
ہوں گے مصروفِ بکا عقدہ کشا آپکے ساتھ
پیٹیں گے سر حسنؑ سبز قبا آپکے ساتھ
فاطمہؑ ہیں صفتِ اہلِ عزا آپکے ساتھ
کیا نہ وہ ایسی جدائی کے لیے روئیں گی
اشکِ خوں بیٹے کے بھائی کے لیے روئیں گی

(۵۵)

لو بڑھی فوج عدو چل گیا اک گرزِ ستم
شق ہوا مثل علیؑ کے سر سقائے حرم
لو جھکا ضعف سے ہرنے پہ وہ (اب) ابر کرم
لو پڑا مشکِ سکینہؑ پہ بھی تیرِ اظلم
زخم سب زخموں سے کاری جو یہ تھا خون بہا
جتنا پانی (بھی) نہ تھا اس سے سوا خون بہا

(۵۶)

زین رہوار پہ ضیغم کو جو دیکھا بے حال
حربے کرنے لگے نزدیک سے روباہ و شغال
سب زمیں خون سے سقائے حرم کے ہوئی لال
سر اُٹھانا ہوا افراطِ جراحت سے محال
غش میں تیروں کی تکانوں سے بصد یاس گرے
بج گیا طبلِ ظفر گھوڑے سے عباسؑ گرے

۞۞۞